QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

غزواتِ نبوی ﷺ کے سیاسی و حکمتِ عملی کے اصول: عصرِ حاضر کی حکمرانی اور بین الاقوامی تعلقات کے تناظر میں ایک تجزیاتی مطالعہ

Political & Strategic Principles of the Prophetic Ghazawat: An Analytical Study in the Context of Contemporary Governance & International Relations

Bushra Tahseen
M. Phil Scholar, DIS, Riphah International University, Faisalabad.
Email: bushratahseen22@gmail.com
Dr. Faizan Hassan Javed
Assistant Professor, DIS, Riphah International University, Faisalabad.
Email: engr.faizan@riphahfsd.edu.pk

Abstract

The Prophetic Ghazawat represent a significant dimension of the political, strategic, diplomatic, and administrative experience of the Prophet Muhammad ﷺ. They were not merely military encounters but also reflected a comprehensive framework of political decision-making, strategic planning, diplomatic engagement, conflict management, treaty-making, protection of state interests, and establishment of peace and stability. This study aims to analyze the political and strategic principles manifested in the Ghazawat of the Prophet ﷺ and to examine their relevance to contemporary governance and international relations. The research adopts a qualitative and analytical methodology, drawing primarily upon the Qur'an, authentic Prophetic traditions, classical works of Sīrah, and relevant contemporary academic literature.

The study examines selected Prophetic strategies in dealing with internal and external challenges, including consultation (shūrā), strategic planning, information management, diplomatic negotiations, treaty arrangements, protection of public interests, conflict resolution, and adherence to ethical principles during armed conflict. It argues that the Prophetic model provides valuable conceptual foundations for responsible political leadership, strategic governance, peaceful conflict resolution, and principled international engagement. Particular attention is given to the distinction between legitimate political strategy and opportunistic power politics, demonstrating how the Prophetic approach integrated strategic interests with justice, moral responsibility, human dignity, and commitment to peace.

The study concludes that the political and strategic principles reflected in the Ghazawat possess contemporary relevance, particularly in the areas of governance, diplomacy, conflict management, national security, and international relations. Rather than treating the Prophetic Ghazawat merely as historical military events, this research approaches them as a multidimensional source

of political and strategic thought that can contribute to contemporary discussions on ethical leadership, peaceful coexistence, and responsible statecraft.

Keywords: Prophetic Ghazawat, Prophetic Strategy, Political Thought, Governance, Diplomacy, International Relations, Conflict Resolution, Islamic Political Thought.

تمہید

غزواتِ نبوی ﷺ محض عسکری دفاع کا نام نہیں تھے بلکہ یہ عظیم سیاسی بصیرت اور مدبرانہ حکمتِ عملی کا مظہر تھے۔ ان مہمات کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے ایک بکھرے ہوئے عرب معاشرے کو ایک منظم ریاست کی شکل دی اور سیاست کو اخلاقی اقدار کے تابع کر دیا۔ زیرِ نظر فصل میں ان سیاسی اصولوں، سفارت کاری کے آداب اور حکمرانی کے ان ضوابط کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے جو غزوات کے دوران وضع کیے گئے اور جنہوں نے نہ صرف ریاستِ مدینہ کو استحکام بخشا بلکہ عالمی سیاست کے لیے دائمی اصول متعین کیے۔

مشاورت کا سیاسی نظام اور پارلیمانی اقدار

غزواتِ نبوی ﷺ کے مطالعے سے یہ سیاسی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت کی بنیاد شخصی آمریت پر نہیں بلکہ باہمی مشاورت اور اجتماعی دانش پر رکھی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگی اور سیاسی معاملات میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرما کر "شوریٰ" کے اس اصول کو عملی جامہ پہنایا جو آج کی جدید پارلیمانی جمہوریت کے لیے ایک بلند تر اخلاقی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

(الف) غزوہ بدر اور عسکری فیصلوں میں مشاورت

نبی کریم ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ کسی بھی اہم کام سے پہلے صحابہ کرامؓ سے مشورہ ضرور فرماتے اور ہر متعلقہ شخص کی رائے کو اہمیت دیتے۔ مگر جب سب کی بات سننے کے بعد آپ ﷺ ایک بار فیصلہ فرما لیتے، تو پھر اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے۔

میدانِ بدر میں جب فوج پڑاؤ ڈال چکی تو حضرت حباب بن منذرؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت فرمایا کہ یہ مقام جہاں کہ فوج اس وقت خیمہ زن ہے کیا اس کا تعین زبانِ وحی نے کیا ہے یا جنگی تدبر اور آپ کی رائے اس کی باعث ہوئی ہے اگر پہلی صورت ہے تو ہم مجالِ دم زدن نہیں رکھتے لیکن اگر دوسرا پہلو ہے تو جنگی تدابیر مقتضی ہیں کہ ہم پانی کے چشموں پر قبضہ کر لیں تاکہ قریش ضرورت پر پانی نہ پاسکیں۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر جواب دیا کہ تم نے بہت صحیح رائے دی چنانچہ اسی رائے کے مطابق عمل ہوا۔[1]

اس سے یہ حقیقت بھی ثابت ہوئی کہ امورِ رسالت کے علاوہ بقیہ تمام اجتماعی معاملات میں صحابہ کو رائے دینے کا حق حاصل تھا۔

(ب) غزوہ احد اور کثرتِ رائے کا احترام

غزوہ احد کے موقع پر آپ ﷺ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ مدینہ میں رہ کر دفاع کیا جائے یا باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے؟ لوگوں کی اکثریت نے باہر نکلنے کا مشورہ دیا۔ لہٰذا آپ ﷺ نکلے اور مقام احد پر تشریف لے گئے حالانکہ آپ ﷺ نے اپنا خواب اور اس کی تعبیر بھی بیان کر دی تھی۔

گو اکثریت کے مشورے پر عمل کرنے سے ایسا مالی جانی نقصان اٹھانا پڑا جس کی مثال کسی دوسرے غزوہ میں نہیں ملتی لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے زندگی بھر اشارۃً بھی صحابہ کرامؓ کو مطعون نہیں کیا۔ اتنے بھاری نقصان کے باوجود پھر بھی قرآن پاک نے یہی حکم دیا کہ آپ ﷺ کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ ضرور کرنا چاہیے۔

"ان کے قصور معاف کر دو۔ ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو۔ پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔"[2]

جمہوری نظام میں کثرت رائے کو معیار حق قرار دینے کے لیے غزوۂ احد سے متعلق مشاورت کی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ محترم میاں محمد جمیل لکھتے ہیں:

"اگر غزوۂ احد کے بعد قرآن کا یہ حکم نازل نہ ہوتا تو آج کل کے کئی دانش ور زندگی بھر جمہور اور اکثریت کو کوستے رہتے جب کہ ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھی وہ اپنی انا اور ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور بدنام زمانہ جمہوریت کے عیوب اور نقائص گنوا کر مسلمانوں میں سے شورائیت کی روح کو نکالنے اور اہل حق کی اکثریت کو ٹھکرانے میں کوئی کسر نہیں اٹھار کھتے۔"[3]

(ج)غزوہ خندق اور جدید افکار کی قبولیت

خندق کی جنگ در اصل تمام قبائلِ عرب سے مقابلہ کے مترادف تھی اور اس میں مٹھی بھر مسلمانوں کے لیے رُو در رُو مقابلہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ محمد بن عمر کے قول کے مطابق سلمانؓ نے آپ کو خندق بنانے کا مشورہ دیا تھا اور یہی پہلی جنگ ہے جس میں وہ آزاد کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے انہوں نے آپؐ سے کہا کہ ہم ایران میں تھے وہاں جب کبھی گھر جاتے تو اپنے گرد خندق بنالیتے تھے۔ چنانچہ حضرت سلمانؓ کے مشورے کے مطابق مدینہ کے چاروں طرف خندق کھودی گئی۔[4]

(د)عصری تطبیق

آج کے دور میں جب سیاسی نظاموں میں جبر اور شخصی فیصلے معاشروں کی تباہی کا سبب بن رہے ہیں، غزواتِ نبوی ﷺ سے ملنے والی یہ رہنمائی "مشاورتی سیاست" کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہے۔ یہ اصول سکھاتے ہیں کہ کسی بھی ملک کا سیاسی استحکام اسی وقت ممکن ہے جب فیصلے باہمی مشاورت اور اجتماعی مفاد کو مدنظر رکھ کر کیے جائیں۔ یہ نظامِ شوریٰ ہی اصل میں وہ پارلیمانی روح ہے جو ایک مضبوط اور مستحکم ریاست کی ضمانت دیتی ہے۔

سفارت کاری اور مذاکرات کی ترجیح

غزواتِ نبوی ﷺ محض میدانِ کارزار میں طاقت کی آزمائش کا نام نہیں تھے، بلکہ ان کے پیچھے ایک گہری سیاسی بصیرت اور سفارتی حکمتِ عملی کارفرما تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ جنگ پر مذاکرات کو ترجیح دی اور ثابت کیا کہ کامیاب سیاست وہی ہے جو خون خرابے کے بجائے پرامن سفارت کاری کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرے۔ چند ایک پوائنٹ درج ذیل ہیں:

(الف) صلح حدیبیہ اور سیاسی فتح

رسول اللہ ﷺ نے مختلف اقوام و قبائل کے ساتھ صلح اور امن کے متعدد معاہدات سرانجام دیے، جن میں "معاہدہ صلح حدیبیہ" اور "فتح مکہ" کی مثالیں نمایاں ہیں۔ صلح حدیبیہ وہ تاریخی موڑ تھا جس کے اسلام اور مسلمانوں پر دوررس اثرات مرتب ہوئے، جبکہ فتح مکہ کے موقع پر کیا گیا امن معاہدہ اسلامی تعلیمات کا عظیم شاہکار ہے، جس نے اسلام کے پیغام کو عرب کی حدود سے نکال کر عجم و نجم تک پھیلا دیا۔ یہ دونوں واقعات نہ صرف اسلامی تاریخ کے اہم سنگِ میل ہیں بلکہ عالمی امن کی بنیاد بھی ہیں۔

صلح حدیبیہ کے سیاسی و خارجی بڑے دورس ثابت ہوئے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے سورہ فتح کے مقدمہ میں صلح حدیبیہ کے سیاسی اثرات پر بڑا زبردست تبصرہ کیا ہے۔ معاہدہ صلح حدیبیہ کی وجہ سے "پہلی مرتبہ عرب میں اسلامی ریاست کا وجود با قاعدہ تسلیم کیا گیا۔ اس سے پہلے تک عربوں کی نگاہ میں محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی حیثیت محض قریش اور قبائل عرب کے خلاف خروج کرنے والے ایک گروہ کی تھی اور ان کو برادری سے باہر سمجھتے تھے۔ اب خود قریش ہی نے آپؐ سے معاہدہ کر کے اسلامی سلطنت کے مقبوضات پر آپ ﷺ کا اقتدار مان لیا اور قبائل عرب کے لیے یہ دروازہ بھی کھول دیا کہ ان دونوں سیاسی طاقتوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدات کر لیں۔[5]

(ب) سفیروں کا احترام اور سیاسی اخلاقیات

غزوات کے دوران رسول اللہ ﷺ نے سفارت کاری کے وہ اعلیٰ اصول وضع فرمائے جو آج کے بین الاقوامی قوانین کی بنیاد ہیں۔ اس اصول کی عملی مثال اس روایت میں ملتی ہے:

> "محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ مسیلمہ (کذاب) نے رسول اللہ ﷺ کی طرف خط بھیجا۔ (دوسری سند میں ہے) نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ نے مسیلمہ کے دو ایلچیوں سے پوچھا جبکہ آپ نے (اس کذاب کا) خط پڑھا کہ "تم دونوں (اس کے بارے میں) کیا کہتے ہو؟" انہوں نے کہا: ہم وہی کہتے ہیں جو اس نے کہا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سفیر اور قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا' تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔""[6]

یہ اصول واضح کرتا ہے کہ ایک مستحکم سیاسی نظام میں اخلاقی حدود کی پاسداری ہر حال میں لازمی ہے، چاہے وہ دشمن کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔

(ج) خطوط اور وفود کے ذریعے سیاسی اثر و رسوخ

عہدِ نبوی کی خارجہ پالیسی میں صلح حدیبیہ کے بعد سفارت کاری کو کلیدی اہمیت حاصل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے بین الاقوامی تعلقات کی استواری کے لیے صاحبِ بصیرت اور نڈر سفراء کا انتخاب کیا، جنہیں جامع ہدایات کے ساتھ مختلف ممالک کے سربراہان کی طرف روانہ کیا گیا۔

نبی کریم ﷺ کی بصیرت افروز سفارت کاری کا ایک نمایاں سیاسی پہلو یہ تھا کہ جن حکمرانوں نے اسلام قبول کیا، آپ ﷺ نے انہیں ان کے عہدوں پر برقرار رہنے دیا۔ بحرین کے حاکم منذر بن ساوی، یمن کے سربراہ حارث بن عبد کلال الحمیری، یمن کی ایک ریاست کے سردار ذوالکلاع، سردارِ عمان جیفر بن جلندی اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ ان سفارتی رابطوں کا فوری فائدہ یہ ہوا کہ یہ اہم شخصیات دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں اور وہ تمام ریاستیں با قاعدہ طور پر اسلامی ریاست کا حصہ بن گئیں۔ اس سیاسی حکمتِ عملی سے نہ صرف اسلام کی اشاعت کو وسعت ملی بلکہ ریاستِ مدینہ کا دباؤ اور اثر و رسوخ بھی پورے خطے میں مضبوط ہو گیا۔[7]

(د) عصری تطبیق

آج کے عالمی تنازعات کے دور میں جب معمولی باتوں پر جنگیں چھیڑ دی جاتی ہیں، غزواتِ نبوی ﷺ سے ملنے والی یہ رہنمائی "پرامن سفارت کاری" کا بہترین حل پیش کرتی ہے۔ یہ اصول سکھاتے ہیں کہ میز پر بیٹھ کر کیے جانے والے مذاکرات اور سیاسی

سمجھوتے میدانِ جنگ کی تباہ کاریوں سے کہیں زیادہ موثر ثابت ہوتے ہیں۔ یہ بصیرت دورِ حاضر کے عالمی سیاسی بحرانوں کو حل کرنے کے لیے ایک مضبوط علمی بنیاد فراہم کرتی ہے۔

ریاستی خود مختاری اور دفاعی پالیسی

غزواتِ نبوی ﷺ کے مطالعے سے یہ سیاسی نکتہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے کہ کسی بھی ریاست کی بقا اس کی خود مختاری اور مضبوط دفاعی پالیسی میں پوشیدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ریاستِ مدینہ کو ایک ایسی سیاسی قوت کے طور پر منظم فرمایا جو نہ صرف اپنے داخلی معاملات میں آزاد تھی بلکہ بیرونی جارحیت کا بھرپور جواب دینے کی بھرپور صلاحیت بھی رکھتی تھی۔

(الف) جارحانہ عزائم کا سیاسی تدارک

رسول اللہ ﷺ کی سیاسی بصیرت کا ایک پہلو یہ تھا کہ آپ ﷺ دشمن کو مدینہ پر حملہ کرنے کا موقع دینے کے بجائے، ان کے جنگی ارادوں کی اطلاع ملتے ہی پیش قدمی فرماتے تھے۔ اس پالیسی کے تحت جب آپ ﷺ کو بنو مصطلق کی جنگی تیاریوں کی خبر ملی، آپ ﷺ فوراً لشکر لے کر روانہ ہوئے اور چشمہ مریسیع پر اچانک حملہ کر کے دشمن کی فوجی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کارروائی کے نتیجے میں سردار کی بیٹی سمیت کئی قیدی ہاتھ آئے، جنہیں آپ ﷺ نے اپنے پاس سے فدیہ کی رقم دے کر رہا فرمایا۔[8]

(ب) سیاسی اتحاد اور دفاعی معاہدات

مدینہ طیبہ کی اسلامی ریاست کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے لیے آپؐ نے بعض بڑے دور رس اقدامات کئے۔ مؤاخات اور میثاق مدینہ کے علاوہ آپؐ نے مدینہ کے قرب وجوار کے قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدات کئے۔ اسی طرح جو قبیلہ مسلمان ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنا چاہتا اسے کہا جاتا کہ وہ مدینہ کے قرب وجوار میں آباد ہو۔ اس سے مدینہ کا دفاع مضبوط ہوا تو مسلموں کے لیے تربیت بھی آسان ہو گئی اور اسلامی فوج کے لیے فوجی بھی آسانی سے مل جاتے۔[9]

(ج) دفاعی خود کفالت اور ریاستی وقار

آپ ﷺ نے آلات حرب کی فراہمی اور تیاری کی طرف بھرپور توجہ دی۔ طائف اور حنین کے غزوات میں آپ ﷺ نے منجنیق استعمال کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ دشمن پر ضرب کاری لگانے کے لیے معیاری آلات حرب کا مالک ہونا کتنا ضروری ہے۔ طائف کے محاصرہ میں مسلمانوں نے پہلی دفعہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیق استعمال کیے۔ طبری اور ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غیلان بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جرش (یمن کا ایک علاقہ) میں جا کر قلعہ شکن آلات کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا۔[10]

(د) عصری تطبیق

آج کے دور میں جب کمزور ریاستوں کی خود مختاری کو عالمی طاقتوں کی جانب سے خطرات لاحق ہیں، غزواتِ نبوی ﷺ سے ملنے والی یہ رہنمائی نہایت اہم ہے۔ یہ اصول سکھاتے ہیں کہ ایک ریاست تبھی معزز کہلاتی ہے جب اس کی سیاسی قیادت اپنے دفاعی فیصلوں میں آزاد ہو اور کسی بھی بیرونی دباؤ کے سامنے جھکنے کے بجائے اپنی قومی سلامتی کو مقدم رکھے۔ یہ بصیرت موجودہ دور کی "قومی دفاعی پالیسی" کے لیے ایک مکمل ڈھانچہ فراہم کرتی ہے۔

داخلی استحکام اور فتنہ پرور عناصر کی سیاسی سرکوبی

کسی بھی ریاست کی بیرونی فتوحات کا انحصار اس کے داخلی استحکام پر ہوتا ہے۔ غزواتِ نبوی ﷺ کے دوران رسول اللہ ﷺ کو جہاں بیرونی دشمنوں کا سامنا تھا، وہیں ریاستِ مدینہ کے اندر موجود منافقین اور فتنہ پرور عناصر سیاسی استحکام کے لیے بڑا خطرہ تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی سیاسی بصیرت سے ان اندرونی خطرات کا جس طرح تدارک فرمایا، وہ سیاسیات کا ایک اہم باب ہے۔

(الف) داخلی سازشوں کا ادراک اور تحمل

جب حدیبیہ میں آپ کی مشرکین مکہ سے صلح ہوئی تو بنو خزاعہ اور بنو بکر کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ دونوں میں سے جسکے چاہیں، حلیف بن جائیں۔ اس پر بنو خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بننے کا اعلان کیا، اور بنو بکر نے مشرکین مکہ کے ساتھ اپنے آپ کو ملحق کر لیا۔ بنو خزاعہ کے ساتھ اس معاہدے کا مطلب یہ تھا کہ اگر مشرکین مکہ یا بنو بکر مسلمانوں پر حملہ کریں تو بنو خزاعہ دفاع میں مسلمانوں کی مدد کرینگے، اور اگر وہ بنو خزاعہ پر حملہ کرینگے تو مسلمان انکے دفاع میں انکی مدد کرینگے۔

پھر ہوا یہ کہ بنو بکر کے آدمیوں نے بنو خزاعہ پر شبخون مار کر ان کے ایک شخص کو قتل کر دیا، اور مشرکین مکہ نے اس بدعہدی میں ہتھیاروں سے انکی مدد کی۔ بنو خزاعہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر فریاد کی، اس پر آپ نے مشرکین مکہ سے صلح کا جو معاہدہ تھا، اسکے ختم ہونے کا اعلان فرما دیا، اور اسی کے نتیجے میں آپ نے مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی فرمائی، اور بالآخر مکہ مکرمہ فتح ہوا۔[11] رسول اللہ ﷺ نے اس فتنے کو اپنی سیاسی حکمتِ عملی اور صبر سے ناکام بنا دیا۔

(ب) سیاسی نظم وضبط کی اہمیت

رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر مسجدِ ضرار کو منہدم اور نذرِ آتش کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کے اس طرزِ عمل سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ ایسی جگہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کی جاتی ہو اور جو ریاست کے خلاف سازش کا گڑھ بن جائیں، نظم وضبط کے قیام کے لیے ان کا خاتمہ ضروری ہے۔[12]

(ج) افواہ سازی کا سدِباب

منافقین، بالخصوص ان کا سردار عبد اللہ بن ابی اور ابو عامر راہب، انتہائی پست اخلاق کے مالک تھے۔ ان کی زندگی کا وطیرہ جھوٹ بولنا، امانت میں خیانت کرنا، وعدہ خلافی اور دھوکہ دہی تھا۔ ان کا پورا کردار انہی برائیوں کے گرد گھومتا تھا اور انہی کے ذریعے وہ معاشرے میں غلط خبریں اور افواہیں پھیلا کر مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے اس منافقانہ کردار کے باوجود، رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ جو درگزر کا معاملہ کیا، وہ ایک عظیم دینی اور سیاسی حکمتِ عملی پر مبنی تھا۔ اگرچہ جنگِ احد کے موقع پر تین سو منافقین کی دھوکہ دہی ہو یا غزوہ بنی المصطلق کے دوران عبد اللہ بن ابی کی فتنہ انگیزی، یہ ایسے جرائم تھے جن پر کڑی سزا دی جاسکتی تھی۔ عام حالات میں ایسا رویہ رکھنے والا شخص یقیناً سزا کا حقدار ہوتا، لیکن آپ ﷺ نے ان کے خلاف انتہائی قدم اٹھانے سے گریز کیا۔ اس چشم پوشی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسلامی ریاست میں محض کسی کا مستحق سزا ہونا ہی کافی نہیں ہوتا، بلکہ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اس سزا کے نتیجے میں کوئی نیا فتنہ تو کھڑا نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے یہ طریقہ اس لیے اپنایا تاکہ اسلام کے خلاف دشمنوں کے پروپیگنڈے کا راستہ روکا جا سکے اور نو مسلم قبائل میں بے چینی نہ پھیلے۔ یہ حکمتِ عملی دراصل افواہ سازی کے فتنے کو کچلنے اور اسلامی معاشرے کی جڑوں کو مضبوط کرنے کا ایک بہترین نمونہ تھی۔[13]

(د) عصری تطبیق

آج کے دور میں جب ریاستوں کو "اندرونی خلفشار" اور "ففتھ جنریشن وار" (غیر روایتی جنگ) کے ذریعے کمزور کیا جاتا ہے، غزواتِ نبوی ﷺ سے ملنے والی یہ رہنمائی نہایت اہم ہے۔ یہ اصول سکھاتے ہیں کہ ریاست کی بقا کے لیے بیرونی دفاع کے ساتھ ساتھ داخلی فتنوں پر نظر رکھنا اور قومی یکجہتی کو برقرار رکھنا لازمی ہے۔ یہ سیاسی بصیرت موجودہ دور میں "داخلی سلامتی کی پالیسی" کے لیے بہترین رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

مفتوحہ اقوام کے ساتھ سیاسی معاہدات اور تعلقات

غزواتِ نبوی ﷺ کا ایک عظیم سیاسی پہلو یہ ہے کہ فتوحات کے بعد مفتوحہ اقوام کو غلام بنانے کے بجائے ان کے ساتھ سیاسی معاہدات کیے گئے، تاکہ خطے میں پائیدار امن اور سیاسی استحکام قائم ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان معاہدوں کے ذریعے دشمنوں کو ریاست کا وفادار شہری اور حلیف بنانے کی جو حکمتِ عملی اپنائی، وہ سیاسیات کا ایک روشن باب ہے۔

(الف) سیاسی شمولیت اور بقائے باہمی

جب خیبر کو مسلمانوں کی قوت و طاقت کا اندازہ ہوا تو انہوں نے رسول اللہؐ سے معاہدے کی درخواست کی، کیوں کہ معاہدات ہمیشہ ملکی مفادات میں کیے جاتے ہیں، اسلامی ریاست میں کیے جانے والے کچھ ایسے معاہدات بھی ہیں جو معاشی و اقتصادی استحکام کے لیے کیے گئے، کیوں کہ بین الاقوامی سطح پر تجارتی و اقتصادی معاہدات کو بہت اہمیت حاصل ہے، بلکہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں معیشت کو صرف دینی فائدے کے لیے نہیں، بلکہ اس کو دین محمدی کی اشاعت کا ذریعہ بھی بنایا گیا جس کی طرف ابتدا سے توجہ دی گئی اور کچھ ایسے معاہدات بھی کیے جن میں معاشی و اقتصادی امور پر معاملات کو طے کیا گیا، جس میں معاہدہ خیبر و معاہدہ فدک بھی ہے، جس پر یہود نے کوئی بھی اعتراض نہیں کیا۔

(ب) امن عالم کے لیے سیاسی لچک

معاہدہ حدیبیہ بظاہر ایک مغلوب معاہدہ نظر آتا ہے، لیکن دراصل اسی کے ذریعے اسلام کو اشاعت کے لیے وہ ضروری وقت ملا جو جنگ کی صورت میں ممکن نہ تھا۔ اگر جنگ ہوتی تو ہار جیت کا فیصلہ تو ہو جاتا، مگر فریقین کو ایک دوسرے کے موقف پر سوچ بچار کی مہلت نہ ملتی۔ یہ معاہدہ دراصل وہ حکمتِ عملی تھی جس نے پرامن ماحول فراہم کیا اور یہی اسلام کی عالمگیریت کی بنیاد بنا۔ امام زہری صلح حدیبیہ کے سیاسی و مذہبی اثرات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> "اسلام میں اس سے قبل کوئی بڑی فتح نہ تھی۔ جنگ میں باہم لوگ گتھم گتھا تھے۔ جب امن و سکون ہو گیا، جنگ ختم ہو گئی، لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہو گئے، وہ ایک دوسرے سے ملے، باہم بات چیت کا موقع ملا، جس نے اسلام کی حقانیت کو سمجھا وہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ ان دونوں سالوں میں اتنے لوگ مسلمان ہوئے جتنے اس سے قبل مسلمان ہوئے تھے یا اس سے زیادہ مسلمان ہوئے۔"[14]

(ج) عہد و پیمان کی پاسداری

فتحِ خیبر کے بعد جب رسول اکرم ﷺ نے وہاں کے مغلوب یہودیوں کی جان و مال کو امان دی اور ان کے ساتھ زمینوں پر کاشتکاری کا ایک باضابطہ سیاسی و معاشی معاہدہ طے کیا، تو ابتدائی طور پر بعض مسلمانوں نے ان کے کھیتوں اور فصلوں سے چیزیں اٹھانا شروع کر

دیں۔ یہودیوں نے اس رویے کی شکایت جب بار گاہِ رسالت میں پیش کی، تو آپ ﷺ نے فوری طور پر خیبر میں موجود تمام مسلم فوج اور عوام کو اکٹھے ہونے کا حکم دیا۔

آپ ﷺ نے مجمعے سے خطاب کرتے ہوئے حمد وثنا کے بعد مسلمانوں کو سختی سے تنبیہ فرمائی اور ارشاد کیا کہ چونکہ ہم ان یہودیوں کو ان کی جان، مال اور زمینوں کے تحفظ کی امان دے چکے ہیں اور ان کے ساتھ ایک باقاعدہ معاہدہ ہو چکا ہے، اس لیے کسی بھی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ معاہدین کے اموال میں سے اپنے طے شدہ حق کے سوا کچھ بھی حاصل کرے۔

اس نبویؐ ہدایت کا مسلم معاشرے پر یہ گہرا اثر ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے یہودیوں کے کھیتوں سے بلا اجازت کچھ بھی لینے سے مکمل اجتناب کیا۔ ان کی دیانت اور عہد کی پاسداری اس حد تک پہنچ گئی کہ اگر کوئی یہودی خوشی سے بھی کسی مسلمان کو مفت پھل پیش کرتا، تو وہ اخلاقی اور قانونی اصولوں کی بنیاد پر اس کی قیمت ادا کیے بغیر اسے قبول نہ کرتے۔[15]

(د) عصری تطبیق

آج کے عالمی سیاسی منظر نامے میں جہاں معاہدات کو مفادات کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے اور مفتوحہ علاقوں میں انسانی حقوق پامال کیے جاتے ہیں، غزواتِ نبوی ﷺ کے یہ اصول ایک مثالی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ یہ اصول سکھاتے ہیں کہ پائیدار عالمی امن کا قیام صرف اسی صورت ممکن ہے جب طاقتور ریاستیں کمزور اقوام کے ساتھ کیے گئے سیاسی وعدوں کا احترام کریں اور انہیں برابری کی بنیاد پر سیاسی حقوق فراہم کریں۔

قیادت کا معیار اور انتظامی تقرریوں کے سیاسی اصول

غزواتِ نبوی ﷺ کے مطالعے سے یہ اہم سیاسی نکتہ سامنے آتا ہے کہ ایک کامیاب ریاست کی بنیاد اس کی باصلاحیت قیادت اور عہدوں کی منصفانہ تقسیم پر ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوات کے دوران کمانڈروں اور نائبوں کے انتخاب کے لیے جو معیار مقرر فرمائے، وہ اقربا پروری کے بجائے صرف اور صرف اہلیت اور قابلیت پر مبنی تھے۔

(الف) اہلیت اور میرٹ کی بالادستی

رسول خدا ﷺ لڑائی میں جانے سے پیشتر جہاد میں شامل ہونے والی فوج کو ملاحظہ فرماتے۔ جو لڑائی کے قابل نہ ہوتے انہیں منظور نہ کرتے۔ جنگ بدر سے متعلق حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ہے:

"(بدر کی لڑائی کے موقع پر) مجھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نابالغ قرار دے دیا گیا تھا۔"[16]

جنگ بدر کے موقع پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی عمر 13 برس تھی۔ آپ ﷺ نے منظور نہ کیا۔ پھر "نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنے آپ کو انہوں نے غزوہ احد کے موقع پر پیش کیا (تاکہ لڑنے والوں میں انہیں بھی بھرتی کر لیا جائے) اس وقت وہ چودہ سال کے تھے تو حضور ﷺ نے انہیں اجازت نہیں دی۔ لیکن غزوہ خندق کے موقع پر جب انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے اپنے کو پیش کیا تو حضور ﷺ نے ان کو منظور فرما لیا۔ اس وقت وہ پندرہ سال کی عمر میں تھے۔"[17]

اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومت وقت عمر کے متعلق یہ تعین کر سکتی ہے کہ اتنی عمر سے کم بھرتی نہیں کیا جا سکتا۔

(ب) وفاداری کے بجائے کارکردگی پر بھروسہ

غزوہ موتہ میں حضرات زید بن حارثہ کلبی، جعفر بن ابی طالب ہاشمی اور عبد اللہ بن رواحہ خزرجی کی بالترتیب منصبِ سالاری پر تقرری ان کی موزونیت کے اعتبار سے تھی اور ان تینوں کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید مخزومی کی قیادت محض ان کی

صلاحیت کے سبب جائز ہی نہیں قرار دی گئی تھی بلکہ دربارِ رسالت سے اس کی تحسین و تعریف بھی ہوئی تھی حالانکہ باشندگانِ شہر نے حضرت خالد کی فوجی حکمت عملی سے اختلاف کیا تھااوران پر فرار کاالزام لگاکر ان کی صلاحیت پر شک کااظہار کیا تھا۔[18]

اسی پسِ منظر میں حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ:

"ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک منزل پر پڑاؤ کیا، جب لوگ آپ کے سامنے سے گزرتے تو آپ پوچھتے: "ابو ہریرہ! یہ کون ہے؟" میں کہتا: فلاں ہے، تو آپ فرماتے: "کیا ہی اچھا بندہ ہے یہ اللہ کا"، پھر آپ فرماتے: "یہ کون ہے؟" تو میں کہتا: فلاں ہے تو آپ فرماتے: "کیا ہی برا بندہ ہے یہ اللہ کا!"، یہاں تک کہ خالد بن ولید گزرے تو آپ نے فرمایا: "یہ کون ہے؟" میں نے عرض کیا: یہ خالد بن ولید ہیں، آپ نے فرمایا: "کیا ہی اچھے بندے ہیں اللہ کے خالد بن ولید، وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔"[19]

(ج) مقامی قیادت کی حوصلہ افزائی

رسول اللہ ﷺ ہر غزوہ میں تشریف لے جاتے وقت مدینہ طیبہ میں اپنانائب مقرر فرماتے تھے، آخری غزوہ، غزوہ تبوک میں آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ الانصاری رضی اللہ عنہ کو اپنانائب مقرر فرمایا تھا۔

"الاصابہ" میں ابن عبد البر اور علم الانساب کے ماہرین اور سیرت نگاروں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو تیرہ مرتبہ اپنانائب مقرر فرمایا، غزوہ تبوک، حجۃ الوداع اور غزوہ بدر کے موقع پر بھی ابن ام مکتومؓ مدینہ طیبہ میں آپ کے نائب اور خلیفہ تھے۔ البتہ غزوہ بدر کے موقع پر آپ نے راستے سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو نائب بنا کر واپس بھیجا تھا۔[20]

یہ سیاسی تربیت کا ایک حصہ تھا تاکہ ریاست کے مختلف افراد میں انتظامی صلاحیتیں پیدا ہوں اور قیادت کا ایک متبادل نظام ہمیشہ موجود رہے۔

(د) عصری تطبیق

آج کے دور میں جب سیاسی نظاموں میں اقرباپروری اور پسند وناپسند نے اداروں کو تباہ کر دیا ہے، غزواتِ نبوی ﷺ کے یہ اصول ایک بہترین سیاسی حل پیش کرتے ہیں۔ یہ اصول سکھاتے ہیں کہ جب تک ریاست میں عہدوں کی تقسیم خالصتاً میرٹ اور اہلیت کی بنیاد پر نہیں ہوگی، تب تک نہ تو انتظامی استحکام آسکتا ہے اور نہ ہی قوم ترقی کر سکتی ہے۔ یہ بصیرت موجودہ دور کے "انتظامی ڈھانچے" کی اصلاح کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

عدل و انصاف کی فراہمی اور قانون کی بالادستی

غزواتِ نبوی ﷺ کے ذریعے قائم ہونے والے سیاسی نظام کی سب سے بڑی خصوصیت قانون کی حکمرانی اور غیر امتیازی عدل و انصاف تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ ثابت کیا کہ ریاست کا سیاسی استحکام اسلحہ سے زیادہ اس کے نظامِ عدل پر منحصر ہے، جہاں حاکم اور محکوم دونوں قانون کے سامنے برابر ہوں۔

(الف) امتیازات کا خاتمہ اور مساوی قانون

غزوات کے دوران اور ان کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ نے یہ سیاسی اصول نافذ فرمایا کہ قانون کی نظر میں کوئی طاقتور یا کمزور نہیں ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال غزوہ بدر کے قیدیوں کا معاملہ ہے۔ "جب انصار کے چند لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت

چاہی اور عرض کیا کہ آپ ہمیں اجازت عطا فرمائیں تو ہم اپنے بھانجے عباس رضی اللہ عنہ کا فدیہ معاف کر دیں لیکن حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ کی قسم! ان کے فدیہ سے ایک درہم بھی نہ چھوڑنا۔"[21]

(ب) میدانِ جنگ میں بھی عدل کی پاسداری

ابن اسحاق کہتے ہیں بدر کی جنگ میں خود حضورؐ صفوں کو برابر کر رہے تھے اور آپ کے دستِ مبارک میں ایک پتلی چھڑی تھی اس سے آپ لوگوں کو برابر کرتے تھے۔ سواد بن عربیہ کے پاس سے گزرے تو یہ صف سے باہر نکلے ہوئے تھے اسی چھڑی سے آپ نے ان کے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اے سواد صف کے برابر کھڑے ہو اور وہ لکڑی جو حضور ﷺ کے ہاتھ میں تھی سواد کے پیٹ سے لگ گئی۔ سواد نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھ کو تکلیف پہنچائی۔ اس کا بدلہ مجھ کو دیجئے آپ کو اللہ نے حق اور عدل کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے حضورؐ نے اسی وقت اپنا پیٹ کھول کر سواد کے آگے کر دیا۔ سواد نے شکم مبارک کو بوسہ دیا اور اپنی آنکھیں اور چہرہ کو اس پر خوب ملا۔ حضورؐ نے فرمایا اے سواد یہ کیا حرکت تم نے کی۔ سواد نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور دیکھ رہے ہیں کہ یہ کیا وقت ہے میں نے چاہا کہ اس آخر وقت میں حضورؐ کے جسم سے میرا جسم مس ہو جائے حضور ﷺ نے ان کے واسطے دعائے خیر فرمائی۔[22]

(ج) مفتوحہ اقوام کے لیے انصاف کے یکساں مواقع

مفتوحین کے ساتھ آپ ﷺ کے عدل کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے کہ:

> "حنین کے اسیران جنگ جب جعرانہ میں محفوظ تھے، ایک معزز سفارت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ اسیرانِ جنگ رہا کر دئے جائیں، یہ قبیلہ وہ تھا کہ آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہؓ اسی قبیلہ کی تھیں، رئیس قبیلہ (زہیر بن صرد) نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور آنحضرتؐ کی طرف مخاطب ہو کر کہا "جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں، انہی میں تیری پھوپھیاں اور تیری خالائیں ہیں، اللہ کی قسم! اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں اور تجھ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "خاندان عبد المطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تمھارا ہے لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو۔" نماز ظہر کے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی، آپ نے فرمایا۔ "مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے، لیکن میں تمام مسلمانوں سے ان کے لئے سفارش کرتا ہوں" مہاجرین اور انصار فورا بول اٹھے۔ ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔ اس طرح چھ ہزار دفعتہ آزاد ہوئے۔"[23]

(د) عصری تطبیق

آج کے عالمی سیاسی نظام میں جہاں قانون صرف کمزوروں کے لیے ہے اور طاقتور طبقہ ہر قسم کی پکڑ سے آزاد ہے، غزواتِ نبوی ﷺ کے یہ اصول ایک مثالی معاشرے کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ یہ اصول سکھاتے ہیں کہ ایک ریاست تبھی پائیدار سیاسی استحکام حاصل کر سکتی ہے جب وہاں عدل و انصاف کی فراہمی میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی جائے اور قانون کی بالادستی کو ہر قیمت پر یقینی بنایا جائے۔

خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی تعلقات کے سیاسی اصول

غزواتِ نبوی ﷺ کے ذریعے ریاستِ مدینہ نے بین الاقوامی سیاست میں اپنی شناخت ایک آزاد اور خود مختار قوت کے طور پر کروائی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی خارجہ پالیسی میں توازن، وقار اور اخلاقیات کے ایسے ضوابط مقرر فرمائے جو عالمی تعلقات کی استواری میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔

(الف) پر امن بقائے باہمی اور سفارتی پہل

جب رسول اللہ ﷺ ۹ ہجری میں تبوک سے فارغ ہوئے تو تبوک کی جانب شام میں خلیج عقبہ کے کنارے پر ایک چھوٹی سی ریاست تھی، اس زمانے میں اس پر یوحنہ بن روبہ کی حکومت تھی۔ آپ ﷺ نے وہاں کے حاکم یوحنا کو خط بھیجا اور وہ خود تبوک کے مقام پر حاضر ہوا، اس نے صلح کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔[24]

رحمت عالم ﷺ نے مندرجہ ذیل فرمان یوحنا کو عطا فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ اور محمد رسول اللہؐ کی جانب سے یہ امن نامہ یوحنا، اہلِ ایلہ اُن کے علماء، اُن کی کشتیوں اور قافلوں کے لئے ہے، جو بحر و بر میں ہیں، وہ اہل شام واہلِ یمن واہلِ بحر جو ان کے ساتھ ہیں وہ بھی اس امان میں شامل ہیں۔ ان سب کے لئے اللہ اور محمد رسول اللہؐ کی ذمہ داری ہے! لیکن جو اس عہد کی خلاف ورزی کرے گا اس کی حفاظت کی ذمہ داری نہ ہو گی۔ جن کنوؤں پر یہ لوگ قیام کریں گے، ان کنوؤں کا پانی کسی کے لئے بھی بند نہ کریں گے اور نہ بری و بحری راستوں کو روکنے کے مجاز ہوں گے۔[25]

(ب) سیاسی حلیفوں کا انتخاب اور تزویراتی تعلقات

غزوات کے دوران رسول اللہ ﷺ نے مختلف قبائل کے ساتھ دفاعی اور سیاسی معاہدے فرمائے۔ اس حوالے سے مشہور روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کے معابعد رسول اکرم ﷺ نے بعض پڑوسی سلاطین اور ان کے عرب باجگذاروں کے پاس کئی سفارتیں تبلیغِ اسلام اور سیاسی مفاہمت کے لیے روانہ کی تھیں۔ یہ سفیر حضرات دحیہ بن خلیفہ کلبی، عبد اللہ بن حذافہ سہمی، عمرو بن امیہ ضمری، حاطب بن ابی بلتعہ لخمی، شجاع بن وہب اسدی اور حارث بن عمیر ازدی تھے جو بالترتیب رومی شہنشاہ ہرقل، ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز، نجاشی حبشہ اصحمہ، مقوقس مصر، شاہِ تخومِ شام اور حارث بن عمیر رغسانی شاہِ بصریٰ کے درباروں میں اسلام کا پیغام لے کر گئے تھے۔[26]

(ج) بین الاقوامی معاہدات کی پاسداری

راوی کہتا ہے کہ ہنوز یہ صلح نامہ لکھا جارہا تھا کہ ابو جندل بن سہیل بن عمرو زنجیروں سے بندھے ہوئے آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ پہلے تو بڑے شوق و ذوق میں رسول اللہ ﷺ کے خواب کی خبر سن کر مکہ کی زیارت اور فتح کی امید سے آئے تھے اور اب جو آپؐ کو اس طرح صلح کر کے واپس ہوتے دیکھے تو مسلمان بہت ہی افسردہ دل ہو گئے تھے۔ قریب تھا کہ اس رنج سے ہلاک ہو جائیں۔

سہیل بن عمرو نے جو اپنے بیٹے ابو جندل کو کھڑا دیکھا تو ان کے منہ پر ایک طمانچہ مارا۔ اور آنحضرتؐ سے کہا اے محمدؐ! میرے تمہارے درمیان قضیہ اس کے آنے سے پہلے فیصل ہو چکا ہے یعنی ابو جندل کو تمہارے ساتھ جانے نہ دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا تو سچ کہتا ہے۔ سہیل نے ابو جندل کو کھینچ کر پیچھے کرنا چاہا تا کہ قریش میں پہنچادے۔ ابو جندل نے چیخنا شروع کر دیا کہ یا رسول اللہ اور اے مسلمانو! کیا میں کفار میں واپس کر دیا گیا تا کہ وہ مجھ کو تکلیفیں پہنچائیں۔

مسلمانوں کو اس بات سے بہت قلق ہوا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اے ابو جندل تم اور چند روز صبر کرو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کشادگی کر دے گا۔ میں مجبور ہوں کہ میں نے عہد کر لیا اور عہد کے خلافت نہیں کر سکتا۔[27]

بین الاقوامی معاہدہ کے احترام کی ایسی مثال کسی اور جگہ شاید ہی مل سکے۔

(د) عصری تطبیق

آج کے دور میں جب بین الاقوامی تعلقات صرف مفادات اور طاقت کے زور پر استوار کیے جاتے ہیں، غزواتِ نبوی ﷺ کی خارجہ پالیسی ہمیں اخلاقیات پر مبنی سیاست کا درس دیتی ہے۔ یہ اصول سکھاتے ہیں کہ ایک ریاست کی عالمی ساکھ اس کی دیانتداری اور اصول پسندی سے وابستہ ہوتی ہے۔ یہ بصیرت دورِ حاضر کی "سفارتی پالیسی" اور بین الاقوامی تعاون کے لیے ایک مکمل ڈھانچہ فراہم کرتی ہے۔

سیاسی رازداری اور ریاست کی دفاعی معلومات کا تحفظ

غزواتِ نبوی ﷺ کے مطالعے سے یہ اہم سیاسی نکتہ سامنے آتا ہے کہ کسی بھی ریاست کی سلامتی اور جنگی کامیابی کا دارومدار اس کی رازداری اور معلومات کے تحفظ پر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عسکری مہمات کے دوران دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے اور اپنی سیاسی حکمتِ عملی کو پوشیدہ رکھنے کا جو نظام وضع فرمایا، وہ جدید سیاسی و دفاعی علوم کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

(الف) دشمن کی سیاسی و عسکری جاسوسی کا نظام

حضور نبی کریم ﷺ نے دشمن کے متعلق معلومات حاصل کیں اور اس کے لئے مختلف ذرائع اختیار کئے۔ کبھی آپؐ طلایہ گرد دستے بھیجتے تو کبھی اسیران جنگ سے یہ معلومات حاصل کرتے۔

غزوہ بدر کے وقوع پزیر ہونے سے قبل جب حضورؐ نے حضرت علی، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ خبر معلوم کرنے واسطے بدر کے چشمے کی طرف روانہ کیا یہ لوگ وہاں سے دو غلاموں کو پکڑ لائے۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ بتلاؤ قریش کے ساتھ کسی قدر آدمی ہوں گے۔ انہوں نے کہا یہ تو ہم کو خبر نہیں۔ فرمایا روز کس قدر اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ غلاموں نے کہا کسی دن نو کسی دن دس اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا معلوم ہوا نو سو یا ہزار کے انداز میں ہیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا قریش نے کس جگہ مقام کیا ہے۔ غلاموں نے کہا یہ جو ٹیلہ آپ پرلی طرف دیکھتے ہیں اس کے پشت میں۔ اس ٹیلے کا نام عقلقل ہے۔ پھر حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ اشراف قریش میں سے کون کون لوگ آئے ہیں۔ ان غلاموں نے کہا عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو البختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر بن نوفل، طعیمہ بن عدی بن نوفل، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابو جہل بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ اور منبہ بن حجاج کے دونوں بیٹے، سہیل بن عمرو اور عمر بن عبدود وغیر ہم ہیں۔ یہ سن کر حضورؐ نے اپنے اصحاب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہارے آگے نکال کر ڈال دیئے ہیں۔[28]

اس طرح رسول کریمؐ نے دشمن کی فوجی قوت اور اس کی ضخامت کا اندازہ کر لیا۔

(ب) مہمات میں رازداری کی اہمیت

رسول اللہ ﷺ اکثر غزوات کے موقع پر اپنی منزل کو صیغہ راز میں رکھتے تھے تا کہ دشمن کو اچانک حملے کی خبر نہ ہو سکے اور وہ جوابی سازش نہ کر پائے۔

"ایسا کم اتفاق ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کسی جہاد کا قصد کریں اور وہی مقام بیان فرما کر اس کو نہ چھپائیں۔ جب آپ ﷺ غزوہ تبوک کو جانے لگے تو چونکہ یہ غزوہ بڑی سخت گرمی میں ہونا تھا، لمبا سفر تھا اور جنگلوں کو طے کرنا تھا اور مقابلہ بھی بہت بڑی فوج سے تھا، اس لیے آپ ﷺ نے مسلمانوں سے صاف صاف فرما دیا تھا تا کہ دشمن کے مقابلہ کے لیے پوری تیاری کر لیں چنانچہ (غزوہ کے لیے) جہاں آپ ﷺ کو جانا تھا (یعنی تبوک) اس کا آپ نے صاف اعلان کر دیا تھا۔"[29]

(ج) افواہ سازی اور جھوٹی خبروں کا مقابلہ

غزوہ احزاب میں بنو قریظہ کی عہد شکنی کے معاملے سے نبیؐ بے خبر نہ تھے۔ آپؐ کو بروقت اسکی اطلاع مل گئی اور آپؐ نے فورا انصار کے سرداروں (سعد بن عبادہ، سعد بن معاذ، عبد اللہ بن رواحہ اور خوات بن جبیر) کو ان کے پاس تحقیق حال اور فہمائش کے لیے بھیجا۔ چلتے وقت آپ نے ان کو ہدایت کی کہ اگر قریظہ عہد پر قائم رہیں تو آکر سارے لشکر کے سامنے علی الاعلان یہ خبر سنا دینا اگر وہ نقض عہد پر مصر ہوں تو صرف مجھ کو اشارۃً اس کی اطلاع دے دینا تا کہ عام مسلمان یہ بات سن کر پست ہمت نہ ہو جائیں۔[30]

(د) عصری تطبیق

آج کے دور میں جب معلومات کی چوری اور جاسوسی کے ذریعے ملکوں کو کمزور کیا جا رہا ہے، غزواتِ نبوی ﷺ سے ملنے والی یہ رہنمائی نہایت قیمتی ہے۔ یہ اصول سکھاتے ہیں کہ ایک مستحکم ریاست وہی ہے جو اپنی حساس معلومات کی حفاظت کرے اور دشمن کے خلاف ایک موثر نظامِ معلومات برقرار رکھے۔ یہ سیاسی تدبر دورِ حاضر کی "قومی سلامتی کی پالیسی" کے لیے ایک ناگزیر ستون ہے۔

عفو و درگزر اور سیاسی مفاہمت

غزواتِ نبوی ﷺ کا حاصل اور سیاسی بصیرت کا عروج وہ عفو و درگزر ہے جس کا مظاہرہ فتوحات کے بعد کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ثابت فرمایا کہ ایک عظیم سیاسی لیڈر کا مقصد دشمنوں کو ختم کرنا نہیں بلکہ انہیں اخلاقیات اور رحم دلی کے ذریعے اپنا بنانا اور معاشرے میں مستقل سیاسی امن قائم کرنا ہوتا ہے۔

(الف) فتح مکہ اور سیاسی مفاہمت کی انتہا

فتح مکہ کے موقع پر جب تمام اہل مکہ کعبہ کے قریب جمع ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے تو آپؐ نے ان کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا۔

آپؐ نے فرمایا:

"قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں ہے؟" انہوں نے کہا: "اچھا۔۔۔ آپ کریم بھائی ہیں۔ اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا، "تو میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ لاتثریب عَلَيْكُمُ الیوم آج تم پر

کوئی سرزنش نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔"[31]

مکہ مکرمہ میں اس موقع پر ایک واقعہ پیش آیا جو اس بنا پر بطور خاص قابل ذکر ہے کہ اس سے پیغمبر امن ﷺ کی رحیمی اور کریمی کی شان بدرجہ احسن آشکار ہوتی ہے۔

حضرت ابو مسعود (عقبہ بن عمرو انصاری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے بات کرنے لگا۔ (رسول اللہ ﷺ کے رعب کی وجہ سے) اس کے کندھے کانپنے لگے (اس پر کپکپی طاری ہو گئی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "گھبراؤ مت، میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو ایک ایسی (عام سی غریب) عورت کا بیٹا ہوں جو خشک کیا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔"[32]

(ب) تالیفِ قلب اور مخالفین کی سیاسی بحالی

فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان کے قبول اسلام پر نہ صرف انھیں انعام واکرام دیا گیا بلکہ ان کا گھر امن گاہ قرار دیا گیا۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ابوسفیان فخر کو محبوب رکھتا ہے اسکے لئے کوئی ایسی بات کر دیجئے جس میں اس کو فخر ہو۔ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امن ہے اور جو اپنا دروازہ بند کر لے گا اس کو امن ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو گا اس کو امن ہے۔[33] نماز ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ خانہ کعبہ سے باہر تشریف لائے، حضرت عثمانؓ بن طلحہ کو آواز دی اور کعبہ کی کنجی انھیں دے دی۔ زمانہ جاہلیت میں بھی کعبے کی تولیت بنوشیبہ کے پاس تھی اور اب بھی انہی کے پاس رہنے دی گئی۔[34]

(ج) انتقامی سیاست کا مستقل خاتمہ

عرب میں دستور تھا کہ کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کے خون کا انتظام لینا خاندانی فرض قرار پاجاتا تھا، یعنی اگر اس وقت قاتل نہ ہاتھ آسکا تو خاندانی دفتر میں مقتول کا نام لکھا جاتا اور سینکڑوں برس گزرنے کے بعد بھی انتظام کا فرض ادا کیا جاتا تھا، قاتل اگر مر چکا ہو تو اس کے خاندان یا قبیلے کے آدمی کو قتل کرتے تھے، اسی طرح خون بہا کا مطالبہ بھی آباعَن جد چلا آتا تھا۔ یہ خون کا انتظام عرب میں سب سے بڑے فخر کی بات تھی، اس طرح اور بہت سی لغو باتیں مفاخر قومی میں داخل ہو گئی تھیں، اسلام ان سب کے مٹانے کے لئے آیا تھا اور اس بنا پر آپ ﷺ نے (اس طریق) انتقام اور خون بہا اور نیز تمام غلط مفاخر کی نسبت فرمایا کہ "میں نے ان کو پاؤں سے چل دیا۔"[35]

(د) عصری تطبیق

آج کے دور میں جب سیاسی اختلافات ذاتی دشمنیوں میں بدل چکے ہیں اور جنگوں کے بعد مفتوحہ اقوام سے وحشیانہ انتقام لیا جاتا ہے، غزواتِ نبوی ﷺ کے یہ اصول عالمی امن کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ یہ اصول سکھاتے ہیں کہ پائیدار سیاسی تبدیلی جبر سے نہیں بلکہ عفو و درگزر اور سیاسی مفاہمت سے آتی ہے۔ یہ بصیرت دورِ حاضر کے سیاسی تنازعات کو حل کرنے اور "قومی یکجہتی" پیدا کرنے کے لیے بہترین بنیاد فراہم کرتی ہے۔

خلاصہ کلام

غزواتِ نبوی ﷺ کے سیاسی و حکمتِ عملی کے اصولوں کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں جنگی اقدامات محض عسکری غلبے یا طاقت کے اظہار کے لیے نہیں تھے، بلکہ ان کے پسِ پشت ایک جامع سیاسی، اخلاقی، سفارتی اور انتظامی

حکمتِ عملی کارفرما تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف حالات میں مشاورت، حکمتِ عملی، سفارت کاری، معاہدات، حالات کے درست ادراک، اجتماعی مفاد کے تحفظ اور تنازعات کے حل جیسے اصولوں کو عملی طور پر نافذ فرمایا۔ غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ خندق اور دیگر غزوات کے واقعات اس امر کی نمایاں مثالیں ہیں کہ آپ ﷺ اہم فیصلوں میں صحابہ کرامؓ سے مشاورت فرماتے، حالات کے مطابق مناسب حکمتِ عملی اختیار کرتے اور ریاستی واجتماعی مفادات کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔

غزواتِ نبوی ﷺ کا سیاسی پہلو یہ بھی واضح کرتا ہے کہ اسلامی سیاسی فکر میں طاقت کو اخلاقی اصولوں سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ جنگ کے دوران بھی عدل، عہد کی پاسداری، انسانی وقار، غیر ضروری خونریزی سے اجتناب اور امن کے مواقع سے فائدہ اٹھانے کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ اسی طرح مختلف قبائل اور ریاستی قوتوں کے ساتھ تعلقات میں سفارت کاری، معاہدات اور گفت وشنید کو بھی اہم مقام حاصل رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوی سیاسی حکمتِ عملی میں طاقت اور امن، تدبیر اور اخلاق، قومی مفاد اور انسانی ذمہ داری کے درمیان متوازن تعلق قائم کیا گیا تھا۔

عصرِ حاضر میں ان نبوی اصولوں سے ریاستی حکمرانی، سیاسی قیادت، سفارت کاری، تنازعات کے پُرامن حل، قومی سلامتی اور بین الاقوامی تعلقات کے لیے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس لیے غزواتِ نبوی ﷺ کو صرف تاریخی عسکری واقعات کے طور پر دیکھنے کے بجائے ایک جامع سیاسی وحکمتِ عملی کے نمونے کے طور پر مطالعہ کرنا زیادہ مفید ہے، جو موجودہ دنیا میں ذمہ دار حکمرانی، اخلاقی قیادت، باہمی احترام اور پُرامن بین الاقوامی تعلقات کے قیام کے لیے قابلِ قدر اصول فراہم کرتا ہے۔

---

1 Jalāl al-Dīn Anṣār ʿUmarī, Islām kā Shūrāʾī Niẓām (Lahore: Maktabah Taʿmīr-i Insāniyat, n.d.), 93.
2 AL.Qur’an, 3:159.
3 Miyān Muḥammad Jamīl, Naẓm-i Jamāʿat ke Ādāb (Lahore: Markazī Jamʿiyyat Ahl-i Ḥadīth, n.d.), 167–69.
4 Abū Jaʿfar Muḥammad ibn Jarīr al-Ṭabarī, Tārīkh al-Ṭabarī (Tārīkh al-Umam wa al-Mulūk), vol. 2 (Karachi: Nafīs Academy, 1st ed., April 2004), 212.
5 Sayyid Abū al-Aʿlā Mawdūdī, Tafhīm al-Qurʾān, vol. 5, 41.
6 Abū Dāwūd, Sulaymān ibn al-Ashʿath, al-Sunan, Kitāb al-Jihād, Bāb fī al-Rusul, ḥadīth no. 2761.
7 Tabassum Maḥmūd Ghaḍanfar, Saltanat-i Madīnah ke Safīr-i Ṣaḥābah (Lahore: Āṣif ʿAlī Printers, August 2002), 220.
8 General Muḥammad Akbar Khān, Ghazawāt-i Nabawī ﷺ (Deoband: Maḥbūb Printing Press, July 1990), 224–25.
9 Dr. Ḥāfiẓ Maḥmūd Akhtar, Istiḥkām-i Mamlakat aur Badʾamnī kā Insidād: Taʿlīmāt-i Nabawī ﷺ kī Roshni Mein (Lahore: Miʿrāj Dīn Printers, 2001), 60.
10 Professor Muḥammad Ṣiddīq Qurayshī, Payghambar-i Ḥikmat o Baṣīrat, 266.
11 Muḥammad Taqī ʿUthmānī, Islām aur Siyāsī Naẓariyāt (Karachi: Maktabah Maʿārif al-Qurʾān, November 2010), 345.
12 Dr. Rizq Allāh Aḥmad Mahdī, Sīrat-i Nabawī ﷺ, trans. Ḥāfiẓ Muḥammad Amīn, vol. 2 (Mumbai: Dār al-ʿIlm), 312.
13 Dr. Ḥusayn Bānū, Rasūl-i Akram ﷺ kī Safāratkārī aur Khārijah Pālisī (2nd ed., October 2018), 383–84.
14 Ḥusayn Bānū, Rasūl-i Akram ﷺ kī Safāratkārī aur Khārijah Pālisī, 377.
15 Muḥammad Aḥmad Bāshmīl, Fatḥ-i Khaybar, 193–94.

[16] Abū ʿAbd Allāh Muḥammad ibn Ismāʿīl al-Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Kitāb al-Maghāzī, Bāb ʿIddat Aṣḥāb Badr, ḥadīth no. 3955.
[17] al-Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Kitāb al-Maghāzī, Bāb Ghazwat al-Khandaq wa hiya al-Aḥzāb, ḥadīth no. 4094.
[18] Professor Muḥammad Yāsīn Maẓhar Ṣiddīqī, ʿAhd-i Nabawī ﷺ kā Niẓām-i Ḥukūmat (Aligarh: Idārah Taḥqīq wa Taṣnīf Islāmī, n.d.), 42.
[19] Abū ʿĪsā Muḥammad ibn ʿĪsā al-Tirmidhī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Kitāb al-Manāqib, Bāb Manāqib Khālid ibn al-Walīd, ḥadīth no. 3846.
[20] Dr. Jamīlah Shaukat, Niẓām-i Ḥukūmat-i Nabawiyyah 367 ,ﷺ.
[21] al-Bukhārī, *al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Maghāzī, Bāb Anṣār kā Ghazwah Badr mein Shirkat, ḥadīth no. 4018.
[22] Abū Muḥammad ʿAbd al-Malik ibn Hishām, Sīrat Ibn Hishām, 318–19.
[23] Allāmah Shiblī Nuʿmānī and Sayyid Sulaymān Nadwī, Sīrat al-Nabī ﷺ, vol. 1, 363.
[24] Ḥusayn Bānū, Rasūl-i Akram ﷺ kī Safāratkārī aur Khārijah Pālisī, 388.
[25] Sayyid Maḥbūb Riḍawī, Maktūbāt-i Nabawī ﷺ (Lahore: Dār al-ʿUlūm Madaniyyah, 5th ed., April 2000), 217–18.
[26] Muḥammad Yāsīn Maẓhar Ṣiddīqī, ʿAhd-i Nabawī ﷺ kā Niẓām-i Ḥukūmat, 25.
[27] Abū Muḥammad ʿAbd al-Malik ibn Hishām, Sīrat al-Nabī ﷺ, vol. 2, 216.
[28] Ibn Hishām, Sīrat al-Nabī ﷺ, vol. 2, 311–12.
[29] al-Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Kitāb al-Jihād, Bāb Man Arāda Ghazwatan Fawwarā Bighayrihā, ḥadīth no. 2948.
[30] Fārūq Aḥmad, Muṣṭafawī ﷺ Madanī ʿĀlamī Riyāsat: Māḍī, Ḥāl aur Mustaqbil, 444–45.
[31] Ṣafī al-Raḥmān Mubārakpūrī, al-Raḥīq al-Makhtūm, 551.
[32] Ibn Mājah, ʿAbd Allāh ibn Yazīd, al-Sunan, Kitāb al-Aṭʿimah, Bāb al-Qadīd, ḥadīth no. 3312.
[33] Muḥammad ibn Isḥāq ibn Yasār, Sīrat Ibn Hishām, vol. 2 (Lahore: Idārah Islāmiyyāt), 270.
[34] Akram Ḍiyāʾ al-ʿUmarī, Sīrat-i Raḥmat-i ʿĀlam ﷺ (Nashriyāt), 461.
[35] Shiblī Nuʿmānī and Sayyid Sulaymān Nadwī, Sīrat al-Nabī ﷺ, vol. 1, 347.